

پاکستانی معاشرے پر اخلاقی تحدیات کے اثرات اور تعلیماتِ اسلامی کی روشنی میں ان کا تدارک
***Effects of Moral Challenges on Pakistani Society and their
remedy in the light of Islamic Teachings***

Muhammad Hussain

Ph. D Research Scholar, Department of Islamic Thought and Culture, NUML University,
Islamabad

Email: hussainnagri5@gmail.com

ORCID: <https://orcid.org/0000-0003-2891-5678>

Dr. Amjad Hayat

Assistant Professor, Department of Islamic Thought and Culture, NUML University,
Islamabad

Email: ahayat@numl.edu.pk

ORCID: <https://orcid.org/0000-0002-7385-685X>

ABSTRACT:

Islam is a complete code of life whose teachings cover every aspect of life which is capable of dealing with the problems arising in any field. Unlike other religions, in Islamic teachings, morality is the axis around which laws Shariah circulates in this respect, the law is the protector of morals, while the law emerges from the heart of morals.

Morality is the state of interaction that promises the survival of nations and immorality heralds destruction. History is a witness that many nations have deserved punishment due to bad morals and have been erased from the pages like wrong letters. It is enough to say that the Prophets were sent to improve the morals of the people. The moral values of the world seem to be in conflict with the new thinking in every field of life day by day, due to which unnatural affairs are considered good. Attack of the arrogant forces.

Keywords:

Effects of moral challenges, their remedy in the light of Islamic teachings.

نظام اخلاق ایسا نظام ہے جس کے بغیر سماجی اقدار کا استحکام ممکن نہیں۔ اسلام نے اسے معاشی نظام سے منسلک کیا ہے ان دونوں کا تلازم سماج کو مہذب وجود بخشنے میں کردار ادا کرتا ہے۔ دیگر مذاہب کے برعکس اسلامی تعلیمات میں اخلاق ایسا سرچشمہ ہے جس سے قوانین شرعیہ پھوٹتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ قانون اخلاق کا محافظ ہوتا ہے جبکہ اخلاق کے بطن سے قانون مترشح ہوتا ہے مسلم معاشرہ انہیں تعلیمات کی بدولت دیگر مذاہب اور اقوام سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے

اخلاق تعامل کی وہ کیفیت ہے جو قوموں کی بقاء کی نوید اور بد اخلاقی تباہی کی وعید سناتی ہے یہ ایک ایسا رویہ ہے جس کے ذریعے بہت سی قوموں نے عروج پایا تو بہت سی اقوام بد اخلاقی کی وجہ سے تباہی کے کنارے پہنچے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ بہت سی اقوام بد اخلاقی کی وجہ سے عذاب کا مستحق ٹھہرے اور حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔

اخلاقی تحدیات کا تعلق کسی بھی معاشرے کے وجود و بقاء سے ہے اخلاقیات کھونے سے معاشرتی اقدار تباہ ہو جاتی ہیں اور ان کا تحفظ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب اخلاقی تحدیات سے نوجوان نسل آگاہی رکھتا ہو۔ ایسا معاشرہ جس کے جوان اخلاقیات کا شعور رکھتے ہوں ان پر دشمن کبھی غلبہ حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے افراد پہلے سے ہی چیلنج کا مقابلہ کرنے پورے وثوق سے مستعد و تیار رہتے ہیں اخلاقیات کو زندہ رکھنے والی قومیں ہی عروج کو پہنچتی ہیں۔ اس لئے دشمن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی بھی طریقے سے اخلاقیات کو تباہ کیا جائے تاکہ ہتھیار اٹھانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو

بد قسمتی سے آج پاکستان میں اخلاقی تحدیات کے پہاڑ کھڑے کر دیئے گئے ہیں نوجوان نسل اخلاقی حدود سے خارج ہوتی جا رہی ہے اخلاقی اقدار پامال ہونے کی وجہ سے سماج میں لاقانونیت، طبقاتی تقسیم، عصبیت اور اندھی تقلید جیسی مہلک بیماریوں سے ہر طرف تعفن پھیلا ہوا ہے نظام تعلیم اس زخم پر نمک چھڑکتا دیکھائی دیتا ہے نصاب تعلیم سے ہی قومی سوچ تشکیل پانے کے ساتھ ساتھ معاشرتی رویے وجود میں آتے ہیں اس نصاب کی وجہ سے آج امیر غریب سے اور غریب امیر سے نفرت کرتا ہے دونوں کے سماجی رویوں میں حد فاصل کھینچ چکا ہے

ایسے میں اسلامی و آفاقی تعلیمات کی روشنی میں نوجوان نسل کی رہنمائی وقت کی اشد ضرورت ہے تعلیمات اسلامی کی روشنی میں ان تمام سماجی بیماریوں کا حل تزکیہ اور تربیت نفس اور کتاب و حکمت کی تعلیم میں ہے جس کو قرآن نے انبیائے کرام کے لئے فرض منصبی میں سے قرار دیا ہے پس جہالت سے دوستی اور علم و حکمت سے دوری پاکستانی سماج کو اس نتیجے تک پہنچایا ہے جس کا انجام کسی بھی صورت خوش آئند نہیں ہے ان بیماریوں سے نجات اور اس مقصد کے

حصول کے لئے سب سے پہلے نوجوان نسل کو تعلیماتِ اسلامی سے آگاہی اور شعور اس کا ابتدائی زینہ ہے اور پاکستانی قوم کی فکری وحدت کے لئے ایک نصابِ تعلیم کا اجراء وقت کی ضرورت ہے تاکہ استکباری قوتوں کے اخلاق کش منفی ایجنڈے کا بھر وقت سد باب ہو سکے۔

تعارف موضوع:

اس مقالے میں پاکستانی مسلم معاشرے کو درپیش فکری و اخلاقی تحدیات کا جائزہ لیا جائے گا نیز ان تحدیات کی نوعیت اور ان کے پاکستانی سماج پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں لہذا ان مسائل اور ان کے نتائج سے نبرد آزما ہونے کے لئے اسلامی تعلیمات کے تناظر میں مدلل گفتگو کی جائے گی۔

فرضیہ تحقیق:

فکری اور اخلاقی تحدیات کے اسباب و عوامل کیا ہو سکتے ہیں؟ اور ان کا تدارک کیسے ممکن ہیں؟ دورِ حاضر میں پاکستانی سماج میں فکری و اخلاقی تحدیات سے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟ مسائل مذکورہ کے سد باب کے لیے سفارشات بھی پیش کی جائیں گی۔

سابقہ لٹریچر کا جائزہ:

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ یہ ہے کہ فکری و اخلاقی تحدیات کے اثرات کا سماجی، سیاسی اور معاشرتی حوالے سے مختلف تحقیقاتی مقالوں میں جائزہ لیا گیا ہے جیسے قوموں کے عروج و زوال پر معاشرتی اخلاقی اور سیاسی پستی کے اثرات از شائستہ پروین، نگران ڈاکٹر ثمر فاطمہ، قوموں کے عروج و زوال پر معاشرتی اخلاقی اور سیاسی پستی کے اثرات، از شگفتہ ستار، مسلم امہ کی فکری اصلاح، جہات و تدارک از محسن خان عباسی، فکرِ اسلامی کو درپیش عصری چیلنجز کا تحقیقی جائزہ از محمد سمیع اللہ، مغربی تہذیب و افکار اور عبد الماجد دریا آبادی کی فکر و نظر از عبد الماجد، الفکر الاقتصادي الاسلام لدی امام ابن حزم از حمید اللہ عبدالقادر ان تمام مقالوں میں فکری و اخلاقی تحدیات کے مختلف الجہت اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے لیکن اس مقالے میں پاکستانی مسلم سماج کو درپیش فکری و اخلاقی تحدیات کی جہات پر بحث کرنے کے ساتھ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان مسائل کے حل پر مدلل بحث کی جائے گی۔

اخلاقی تحدیات کے سماجی اثرات اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تدارک

پاکستانی معاشرے پر اخلاقی تحدیات کی کثیر الجہت اثرات مرتب ہوئے ہیں چونکہ ان پر انفرادی اثرات کی بدولت اجتماعی رویوں میں بھی تحول پیدا ہو چکا ہے ان تحولات میں سماجی اثرات کی اہمیت کے پیش نظر عوامی شعور کی غرض سے ایک تفصیلی بحث وقت کی اہم ضرورت ہے ان میں سے چند اہم اثرات کو ذیل میں ترتیب سے بیان کیا جاتا ہے۔

لا قانونیت

آج کل پاکستانی قوم انتہائی خطرناک بدامنی اور لا قانونیت کا شکار ہو چکی ہے کئی سالوں سے استعماری قوتیں پاکستان کو غیر مستحکم بنانے میں مصروف ہیں غیر قانونی سرگرمیوں کے لئے پاکستان آماجگاہ بن چکا ہے، شہری سخت مایوسی اور بددلی کا شکار ہیں، ہر گھر اور ہر شہری خوف کی فضا میں گھرے پڑے ہیں، ملک میں صف ماتم بکچی ہوئی ہے، قانون کی بالادستی ہی ترقی کاراز مضمحل ہے، امن سے منسلک معاشرے میں مالی، معاشی اور کاروباری سرگرمیاں عروج پاتی ہیں، قانون کا لحاظ رکھنے والا سماج ہی عوام کو تحفظ دینے کی سکت رکھتا ہے، ہر ملک ایسے قوانین بنانا چاہتا ہے کہ جہاں کمزور ترین افراد کو تحفظ کا احساس ہو، خواتین، بچے اور کمزور لوگ بھی اپنے آپکو آزاد اور محفوظ خیال کریں، طاقتور اور مجرمانہ ذہنیت کے حامل افراد کسی پر ظلم نہ کر سکیں، لوگ عزت و آبرو اور املاک کو محفوظ خیال کریں۔

قانون ہمیشہ انسانی معاشرے کو تحفظ کی ضمانت دیتا ہے زندگی اور اس کی ارتقاء کاراز بھی اس میں مضمحل ہے یہی وجہ ہے کہ تخلیق آدم سے لیکر آج تک کسی بھی طبقے سے تعلق رکھنے والا معاشرہ قانون کا محتاج رہا ہے تاکہ انسانی اقدار کو کسی بھی حوالے سے تحفظ فراہم کیا جاسکے۔ قانون کا بنیادی مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ زندگی کی پیچیدگیوں سے آسانی کی طرف انسان کو لایا جائے۔ قرآن ایک آفاقی قانون ہے اس کتاب میں بھی یہ تشریح کی گئی ہے کہ اس قانونی دستور کا مقصد انسان کو مشقت میں ڈالنا نہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

﴿لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾¹

”اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا تکلیف نہیں دیتا مگر جو نیکی وہ کرے وہ اس کے حق میں ہے اور جو برائی وہ کرے وہ اس کے خلاف ہے۔“

مشقت سے انسان کو بچانے کے لئے خدا نے قانون کی پیروی کو لازم قرار دیا ہے ارشاد خداوندی ہے:

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ﴾²

”جن کو یہ کتاب عطا کی ہے ہم نے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے یہی وہ لوگ ہیں جو اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔“

امام راغب کے مطابق تلاوت بالخصوص اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتابوں کی پیروی کو کہا جاتا ہے۔

قرآنی مفہوم کے مطابق تلاوت کا معنی پیروی و اتباع کرنا ہے۔³

حقیقت یہ ہے کہ اس میں تلاوت کرنے کا مطلب پیروی کرنا ہی ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہی لوگ ہی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر تلاوت کا معنی صرف پڑھ لینے کے ہو، تو قرآن کی تلاوت غیر مسلم بھی کرتے ہیں، جو اس پر ایمان نہیں لائے۔ پس قرآن کی تلاوت کا مطلب اس کے احکام کو اختیار کرنا ہے۔ اس کی تلاوت اس لئے کی جاتی ہے کہ اس کو سمجھا جائے، اور سمجھنے کا مطلب اس پر عمل کیا جاسکے۔ کلام الہی بلا سمجھے تلاوت کرنا اور یا تفہیم کے بعد عمل نہ کرنا، کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ قرآن کی تلاوت کا مفہوم یہی ہے کہ قرآن کی پورہ پوری اطاعت کی جائے۔

انسانی خلقت کے ساتھ ہی رب کائنات نے اس آفاقی نظام کو نافذ کیا تاکہ انسان دنیاوی معاملات میں الہی قانون کی طرف رجوع کر سکے۔ لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ ابلیسی نظام کو ترجیح دینے لگے۔ حالانکہ انسانی اختراع کردہ سسٹم کبھی اللہ کے بنائے ہوئے سسٹم کا موازنہ نہیں کر سکتا۔

قانون ہمیشہ معنی کے اعتبار سے فساد اور افراتفری کا متضاد رہا ہے جو معاشرہ قانونی عمل داری سے بہرہ ور نہیں اس کا مقدر ہمیشہ فساد خونریزی اور حق تلفی ہوتا ہے علامہ مودودی برصغیر میں ہماری غلامی کے اسباب کے تناظر میں قانون کے اثر کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انسان جب کبھی قانون بناتا ہے تو اس کے پیچھے لازماً اخلاق اور معاشرت و تمدن کا کوئی خاص نقشہ ہوتا ہے جس پر وہ انسانی زندگی کو ڈھالنا چاہتا ہے اس طرح جب وہ کسی قانون کو منسوخ کرتا ہے تو گویا اس اخلاقی نظریے اور اس تمدنی فلسفے کو منسوخ کرتا ہے جس پر پچھلا قانون مبنی تھا اور زندگی کے اس نقشے کو بدلتا ہے جو اس قانون سے بنا تھا پس جب ہمارے انگریز حکمرانوں نے یہاں آکر ان تمام شرعی قوانین کو منسوخ کیا جو اس ملک میں رائج تھے اور ان کی جگہ اپنے قوانین نافذ کئے تو اس کا معنی صرف اسی قدر نہ تھے کہ ایک قانون کی جگہ دوسرا قانون جاری ہوا بلکہ اس کا معنی یہ تھے کہ نظام اخلاق و تمدن کی داگ بیل ڈالی گئی اس تغیر کو مستحکم کرنے کے لئے انہوں نے یہاں کے لاء کالجوں میں اپنی قانون تعلیم رائج کی جس نے دماغوں میں یہ خیال بٹھادیا کہ پچھلا قانون دقیاوسی تھا اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے ہمارے اس بنیادی عقیدے کو بھی متزلزل کر دیا کہ قانون سازی کے اختیارات اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں"۔⁴

بد قسمتی سے پاکستانی معاشرہ عصر حاضر میں قانونی و اخلاقی اصولوں سے چشم پوشی کی بناء ان حالات سے دوچار ہے کیونکہ یہ قانون اسلامی اور مغربی روایات کا امتزاج رکھتا ہے جہاں عدم رواداری، منافرت، تعصب اور

حقوق کی عدم رعایت سے انسانی حقوق اور اخلاقی اقدار پامال ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ مذہب کے نام پر خون بہانا اور انسانیت کی تذلیل ایک معمولی شئی نظر آتی ہے جان و عزت اور آبرو کا تحفظ ایک خواب بن چکا ہے۔ دن دیہاڑے انسانی جانوں کا ضیاع اور عزت و آبرو کی پامالی پر انسانیت شرمندہ ہے۔ خواتین اور معصوم بچوں کی آبروریزی کی واقعات اور مجرمین کا عدالتوں سے باعزت بری ہونا تفتیشی آفیسروں کا مجرموں کی پشت پناہی کا خیر سمجھ کر ناروڑ کا معمول بن چکا ہے چند چیزیں اسلام کی نظر میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے آفاقی تعلیمات اور پیغمبروں کی تبلیغات انسانی سماج میں قانون کی حکمرانی، فطری اصولوں کی بالادستی کے لئے ہیں اس لئے انبیائے کرام نے اپنی تعلیمات میں پانچ چیزوں کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے تاکہ معاشرے کو لاقانونیت اور افراتفری سے محفوظ کیا جاسکے۔

طبقاتی تقسیم

پاکستانی معاشرے پر اخلاقی تحدیات کے جو سنگین اثرات مرتب ہوئے ان میں سے ایک طبقاتی تقسیم ہے جو پاکستانی قوم کو آج بھی دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ یہ تقسیم نظریاتی سرحدوں سے شروع ہو کر علاقائی و لسانی تصورات پر اختتام ہوتی ہے اس وقت ہر قوم دوسرے کو نیچا دکھانے اور ہر طبقہ دوسرے کو کمتر ثابت کرنے اور اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے۔ ہر طبقہ کو دوسرے سے خطرہ لاحق ہے پولیس کو وکلاء سے خطرہ ہے وکلاء کو ججوں سے خطرہ، سیاست کو اسٹیبلشمنٹ سے خطرہ، مذہبی فرقوں کو ایک دوسرے سے تعصب پر مبنی رویوں کا سامنا ہے۔ اسلام نے ان منقسم کرنے والی رویوں اور انتشاری اعمال کی مذمت کرتے ہوئے گروپ بندی سے ممانعت کی ہے

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

عَظِيمٌ﴾⁵

”اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جنہوں نے گروہ بندی کی اور روشن نشانیوں کے آجانے کے بعد بھی اختلاف کیا اور ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔“

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾⁶

”خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں گروہ بندی نہ کرو اور یاد کرو خدا کی نعمت کو کہ تم لوگ ایک دوسرے کے دشمن تھے خدا نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی تو تم اس

کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے اور تم جہنم کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں نکال لیا اور اللہ اسی طرح اپنی آیتیں بیان کرتا ہے کہ شاید تم ہدایت یافتہ بن جاؤ۔“

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾⁷

”یہ ہمارا مستقیم راہ ہے اس کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو کہ راہ خدا سے جدا ہو جاؤ گے اسی کی پروردگار نے راہ دکھائی ہے کہ اس طرح شاید تقویٰ والے اور پرہیزگار بن جاؤ۔“

عموماً شعور کی کمی کی بدولت طبقاتی سسٹم معرض وجود میں آتا ہے جبکہ تعلیم کی کمی ہی شعور کی کمی کا سبب بنتی ہے۔ درس گاہیں علوم کے مراکز ہوا کرتی ہیں۔ دانستہ طور پر پاکستان میں تعلیمی درجہ گاہوں اور نظام کو درست نہیں کیا گیا۔ اس بات سے حکمران طبقہ آگاہ ہے کہ جس دن پاکستانی سماج کے ہر ایک جیسے ذریعہ علم تک با آسانی رسائی حاصل کر سکیں گے وہ دن ایسی طبقاتی تقسیم کا آخری دن ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ چار طرح کے نظام تعلیم اس وقت ملک میں رائج ہیں اور یہ سسٹم مختلف طبقات کو جنم دے رہے ہیں۔ باقی کے تین طبقات کو اشرافیہ آپس میں الجھائے رکھتی ہے تاکہ وہ اپنا کام جاری رکھ سکیں۔ تمام فیصلے مقتدرہ اپنے لئے کرتی ہے ہاں البتہ عام آدمی کی خواہشات کو آسراء دینے کے لیے پینے کے صاف پانی اور دانش سکول جیسے نامکمل منصوبے کا آغاز بھی کرتے ہیں۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کے تمامسٹیک ہولڈرز کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہونا ہو گا ایک نظریہ اور ایک سوچ اپنانا ہو گی۔ سب سے بھاری ذمہ داری حکمران طبقے کی ہی ہے کہ وہ مختلف طبقوں میں گہری ہوتی خلاء کو کم سے کم کریں اور ملک میں یکساں تعلیمی سسٹم رائج کریں، برابر بنیادی حقوق اور قانون نافذ کریں۔

اسلام نے اس طبقاتی نظام کو یکسر مسترد کر دیا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ سے واضح ہے کہ اسلام اس تصور کو سراہتا ہی نہیں جس میں ایک طبقہ دوسرے طبقہ پر مقدم اور فوقیت کا تاثر رکھتا تھا۔ تعلیمات اسلامی نے مال و متاع اور دولت و جاگیر کو برتری کا معیار نہیں بنایا بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری کو قرب الہی کا ذریعہ قرار دیا۔ آنحضرت ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر بابائے دہل فرمایا:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ آبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبٍ عَلَى عَجَمٍ، وَلَا لِعَجَمٍ عَلَى عَرَبٍ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالْتَّقْوَىٰ" ⁸

”خبردار ہو جاوے لوگو! تمہارا خدا ایک ہے اور یقیناً تمہارا آبا ایک ہے کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری حاصل نہیں اور نہ ہی کسی سرخ کو سیاہ پر اور نہ کسی سیاہ کو سرخ پر فضیلت حاصل ہے سوائے تقویٰ کے۔“

معاشی اعتبار سے طبقاتی تقسیم امیر اور غریب طبقے کے درمیان نمونہ پانے والے خلاء کا مظہر ہوتی ہے۔ عمرانی اصول کے مطابق کسی بھی سماج کی ترقی کا دار و مدار اس سماج کی متوسط طبقے کے اوپر ہوتا ہے۔ اس بڑھتی ہوئی طبقاتی خلاء سے متوسط طبقہ سکڑتا چلا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں معاملات کی تمام تر ذمہ داری حکمران طبقے کے ہاتھ میں ہونے کے سبب سب سے زیادہ ذمہ دار ہے۔ باقی کلاس تو ویسے بھی ان کی تقلید کرتی ہے اور ان کی حرکات و سکنات کو نمونہ عمل سمجھتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ لوگوں میں یہ شعور اجاگر کریں چونکہ ان سب کی بنیاد و اصل ایک ہے اور ایک ہی آبا و اجداد سے یہ نسل آگے بڑھی ہے حقوق میں یہ سب برابر ہیں کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ ⁹

”لوگو! تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے ہم نے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو، بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔“

تمام انسانوں کو خدا نے ایک انسان سے پیدا کیا ہے۔ لہذا وہ تمام افتراقات جو مختلف شناخت کی وجہ سے انتشار اور جوہزار خرابیوں کا سبب بنے ہوئے ہیں وہ کوئی منطق نہیں رکھتی کیونکہ سب لوگوں کا سرچشمہ ایک ہے تفسیر جلالین میں مذکور ہے کہ (تَعَارَفُوا) ”حذف منه إحدى التاءین لیعرف بعضکم بعضا لا لتفاخروا بعلو النسب“ ¹⁰ اس میں ایک تا کو حذف کیا گیا ہے یعنی انسانی شناخت فخر اور اعلیٰ نسب کی وجہ سے نہیں بلکہ تقویٰ ہی عظمت کا معیار ہے اس حوالے سے طبقاتی تقسیم کو اسلام مسترد کرتا ہے کیونکہ آبا و اجداد سب کی ایک ہے سب

حضرت آدم سے پیدا ہوئے ہیں بعض مفسرین یہ سمجھتے ہیں حضرت آدم کی بیوی حضرت حوا وجود حضرت آدم سے پیدا ہوئی۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ پاکستانی معاشرہ مختلف طبقات میں تقسیم ہو چکا ہے اور اس میں خلاء دن بدن گہری ہوتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ اشرافیہ اور مقتدر حلقوں نے چھوٹے طبقات کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔ دو قسم کے نظام اس ملک میں رائج ہیں غریبوں کے لئے الگ نظام اور امیروں کے لئے سسٹم اور ہے، غریبوں کی رہنے کی جگہیں کنڈرات کے مناظر پیش کر رہی ہے تو امیروں کے مصنوعی جنت بنائی ہوئی ہے جو دونوں گروہوں کے لئے نوگوا ایریاء بنا ہوا ہے۔ امیر طبقے کی رہائشی کالونیوں میں صفائی، سیوریج، سڑکوں اور ٹریفک کا نظام حکومتی ادارے عمدہ طریقے سے چلا رہے ہیں جبکہ غریب طبقے کے رہائشی علاقوں میں مسائل میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ امیروں نے اپنے لئے حفاظتی حصار بنائے ہوئے ہیں جہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا جبکہ عام طبقہ کے حالات ناقابلِ رحم ہیں بنیادی انسانی حقوق بھی میسر نہیں یعنی یہ دونوں ایسے علاقے ہیں جہاں کے باسی احساسات سے لبریز ہے تو کہیں احساس سے خالی چلتی پھرتی لاشیں ہیں دونوں کے لئے انصاف کے تقاضے الگ الگ ہیں امیروں کے لئے نصف شب عدالتیں لگ جاتی ہیں تو غریبوں کو صبر ایوب چاہیے۔

نصاب تعلیم

نصاب تعلیم افکار کی پرورش کرنے کے ساتھ سوچ کی جہت متعین کرتی ہے لہذا استکباری قوتوں نے نصاب تعلیم کے ذریعے فکر مسلم اور اس کے منہج کو بدل کر رکھ دیا ہے اب فکر مسلم کو قرآنی تعلیمات کی ضرورت کا احساس ختم ہونے لگا ہے آج پاکستانی معاشرے میں فساد و خون ریزی اور گلی کوچوں میں لوگوں کا مذہبی کارڈ استعمال کرتے ہوئے قتل عام کرنا ان نصابی سرگرمیوں کی مرہون منت ہے۔

دوسری طرف غریبوں کے نصاب نے نوجوان نسل اور مسلمانوں کے مستقبل کو غلامانہ ذہنیت کا آماجگاہ بنا دیا ہے اس نصاب کے نتیجے میں کوئی اختراعی عمل آگے نہیں بڑھ سکا حتیٰ کہ طلباء یہ باور کرنے پر مجبور ہو گئے کہ اس نصاب کا ہمارے روزمرہ زندگی سے واسطہ ہی نہیں اور نہ ہی اس کے ذریعے معاشرتی مسائل کا مستقل حل نکل سکتا ہے یہ سب سے بڑا نقصان تھا جو اس نصاب کی دوہریت سے ہمیں پہنچا اس سے ہماری تہذیب کی آبیاری مکمل طور پر ختم ہو گئی اور نوجوان نسل میں اس کی جڑیں خشک ہو گئی اس کی جگہ الحادی تہذیب سے نوجوان نسل مرغوب ہو گئی۔ سیکولر نظام تعلیم نے اس ترکیب کے ذریعے مسلمان نوجوان نسل کو اسلام سے ہی بیگانہ کر دیا تعلیم تربیت کی روح ہوتی ہے اور تعلیم ہی کے ذریعے سے تربیت دی جاتی ہے تعلیم کو ان کے بنیادی اصولوں سے منحرف کرنے میں استکباری

قوتوں نے بھرپور کردار ادا کیا تاکہ مسلمانوں کو انکے شعار اور آفاقی تہذیب سے دور رکھا جاسکے۔ اب اس کے اثرات نمایاں ہونا شروع ہو گئے ہیں کیونکہ موجودہ نسل میں اخلاقیات اور اسلامی تعلیمات کی کوئی رفق نظر نہیں آتی علم سے نوجوان نسل میں حلم اور ظرفیت میں وسعت آنے کی بجائے تکبر اور غرور ان کے رویوں میں آماجگاہ بنایا ہوا ہے۔ موجودہ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ نصاب تعلیم کو تعلیمات قرآنی سے ہم آہنگ کیا جائے تاکہ نئی نسل تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاق و تربیت سے بھی آراستہ ہو کیونکہ صرف تعلیم سے ہی انسان مہذب نہیں بنتا بلکہ تربیت و تزکیہ علم کے ساتھ حلم پیدا کرنے کے لئے زیادہ اہم ہے۔ تزکیہ کا مرحلہ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب نصاب کو توحید سے ملحق کیا جائے۔ اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ ہونے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تعلیم فلسفہ توحید سے جدا نہیں ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾¹¹

”پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا اس انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔“

سب سے پہلی وحی جو آنحضرت ﷺ پر اس وقت آئی جب آپ ﷺ حرا میں مصروف عبادت تھے۔ اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ آفاقی تعلیم توحید سے جڑی ہوئی ہے لیکن بد قسمتی سے موجودہ نظام تعلیم استکباری قوتوں کا عطا کردہ ہے اور سیکولر خطوط پر گامزن توحید سے کوسوں دور ہے جس کی وجہ سے معاشرہ مختلف طبقات میں منقسم ہو کر دوہرے نصاب کا شکار ہوا ہے۔

طبقاتی گروہ بندی تمام معاشرتی انتشار کی جڑ ہے اور دن بدن پاکستانی معاشرہ تجدید پسندی اور روایات میں منقسم ہو کر مختلف طبقات اور گروہ بندیوں کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ ایسے میں نصاب تعلیم زخم پر نمک پاشی کا کام کر رہا ہے امیروں کے نظام تعلیم نے مکمل طور پر مغربی نظام تعلیم سے اثر لیا اور اس نظام سے فارغ التحصیل طلباء یہ باور کرنے پر مجبور ہو گئے کہ رزق کی کنجیاں صرف اس نظام کے دروازے پر لٹکادی گئی ہے اس گھناونے پروپیگنڈے میں آکر بہت سے لوگوں نے اس نصاب کی پیروی کرنا شروع کی نتیجہ یہ ہوا کہ طلباء نے ان فرسودہ نظریات اور عملیات کو جو روح اور عمل میں بالکل ہماری تہذیب کی ضد تھی۔ آہستہ آہستہ مسلمانوں کی نوجوان نسل اسلامی اقدار سے دور ہوتی چلی گئی۔ حقوق پامال ہونے لگے اولڈ ہاوس کا تصور اجاگر ہونے لگا۔

کتمان حق

اخلاقی تحدیات کا وہ اہم پہلو جس نے پاکستانی معاشرے کی اخلاقی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا وہ کتمان حق ہے اس سے مراد حق بات کو چھپانا ہے کسی بھی معاشرے کے سماجی اصول صداقت اور امانت جیسی اخلاقی خصائص پر مبنی

ہوتے ہیں بد قسمتی سے پاکستانی معاشرے میں سماجی بنیادوں کی کمزوری کے سبب لوگ حق بات کہنے سے کتراتے ہیں ایسے لوگوں کی بہتات پائی جاتی ہے جو عدالتوں کے عقب میں جھوٹی گواہوں کو عبادت اور حق سمجھتے ہوئے بدی کا انتظار کرتے ہیں۔ بہت سے سماجی تعلقات میں حق کا اظہار مسائل کے خاتمے کا سبب بنتا ہے لیکن منافقت کی آڑ میں حق بات کو چھپایا جاتا ہے اور باطل کو حق کے لبادے میں پیش کیا جاتا ہے بہت سی معاشرتی خرابیاں حق بات نہ کہنے کی وجہ سے جنم لیتی ہیں۔ اس لئے قرآن نے کتمان حق کی مذمت کی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾¹²

”اور ہم نے تمہیں اس طرح بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ بنے۔“

اس آیت کی روشنی میں یہ بات آشکار ہوتی ہے کہ حق بات معلوم ہوتے ہوئے چھپانا ایک مذموم اور قابل مواخذہ عمل ہے قیامت کے دن انسان کے اعضاء بھی مسوؤل ہوں گے ان سے بھی سوال و جواب کیا جائے گا جیسا ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾¹³

”اور جس کا تجھے علم نہیں اس بات کے پیچھے نہ پڑ بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔“

احادیث مبارکہ کے مفہوم سے بھی واضح ہے کہ اظہار حق میں کوتاہی کسی صورت ممکن کیونکہ جھوٹے گواہ کے قدم ہٹنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جہنم واجب کر دے گا۔¹⁴

کتمان حق جیسی خیانت اور اخلاقی برائی کے پیچھے عموماً دو قسم کے اسباب ہو سکتے ہیں ایک طمع اور دوسرا خوف پاکستانی سماج میں کتمان حق کی وجہ منتشر رویوں میں لالچ اور خوف کے سوا کچھ نہیں ہے اس سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام میں عدل کے تقاضے کمزور ہونے کی وجہ سے جبر و بربریت ایک معمولی شے دکھتا ہے۔ غریب ہمیشہ امیروں کے ظلم کی چکی میں پستے رہتے ہیں۔ ایسے میں ظالم ہتھکنڈوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے کتمان حق کا سہارا لینا ایک معمولی عمل ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر انسان کے جان و مال دونوں کو خطرہ لاحق رہتا ہے۔

یہ ایک ایسی نفسانی کیفیت ہے جس سے خونی رنگت سفیدی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہی وہ لالچ ہے جس سے اولاد کا خون سفید ہوتا ہوا اس سماج میں دیکھا جاسکتا ہے۔ پاکستانی سماج میں بہت سی ایسی واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں جہاں بیٹی کے ہاتھوں ماں کے گلے پر چھری کے وار اور بیٹے کے ہاتھوں باپ کا قتل ایک معمول بن چکا ہے۔ وراثت کے تنازعات نے یہاں عدل کو بدل کر رکھ دیا ہے اور اس سے جنم لینے والی برائیوں نے معاشرے کو اس قدر لپیٹ میں لیا ہوا ہے کہ آدمی انسانی اقدار سے شرمندہ ہے۔

لالچ پاکستانی معاشرے میں لالچ اور مادہ پرستی کینسر کی طرح پھیل چکا ہے سماج کے نچلے طبقے سے اوپر تک کرپشن کی داستانیں اسی لالچ کا پیش خیمہ ہے۔ ہر شخص اس ہدف میں لگن ہے کہ کسی بھی طریقے سے مال و دولت کا حصول ممکن ہو سکے اور ناقابل تشفی اندرونی جذبات کو تسکین مل سکے۔ اس عمل کی وجہ سے پورا معاشرہ ہلاکت کے راستے پر گامزن ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿الْهٰلِكُمْ التَّكَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾¹⁵

”تمہیں غافل کر دیا زیادہ مال جمع کرنے کی طلب نے۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔“

اپنی اعمال کی بدولت بہت سے قبائل تباہ و برباد ہو گئے روایت ہے کہ دو قبیلے افراد و اموال کی کثرت پر ایک دوسرے کے ساتھ فخر و مباہلت کرتے یہاں تک کہ اپنے افراد کی تعداد زیادہ دکھانے کے لئے اموات کی قبروں تک کو شمار کرتے تھے۔ کہتے ہیں یہ تفاخر مکہ کے قریش کے دو قبیلوں میں ہوا تھا۔ اس کی ایک اور تفسیر کی گئی ہے تم ایک دوسرے کے ساتھ اپنی کثرت پر فخر کرتے ہو یہاں تک کہ تم قبروں پر پہنچ جاؤ یعنی مرتے دم تک فخر کرتے ہو لیکن پہلی تفسیر زیادہ قرین واقع نظر آتی ہے چونکہ زرتم المقابر سے دفنم المقابر مراد لینا سیاق سے دور ہے بعض مفسرین اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں تکاثر سے مراد دنیا طلبی نے آخرت اور نیک کاموں کے انجام دہی سے بے گانہ کر دیا ہے پالینے کی کوشش نے تمہیں آخرت کی طلب اور نیک کاموں سے بے پرواہ کر دیا تم اس دنیا کی امید پڑے رہیں کہ یکایک موت آگئی اور تم قبروں میں جا پہنچے۔¹⁶

پاکستانی معاشرہ آج بھی کثرت مال کی خواہش اور لالچ میں انسانی اقدار کھو بیٹھا ہے۔ جس کا فطری امر یہ ہے کہ انسان اظہار حق سے کترائے جہاں طمع اور لالچ وابستہ ہو ایسے ماحول میں مفاد کے پیش نظر وہ امور توجہ طلب ہوتی ہیں جس سے سامع کی مزاج میں نکھار آئے اور وہ ان باتوں سے اختلاف نہ کر پائے۔ لیکن ان باتوں کا اظہار جن سے ان کے مزاج پر بارگراں گزرے اور ان کے بد اعمالیوں سے پردہ اٹھائے کم از کم اس شخص کے لئے ممکن نہیں جو

ان سے دنیاوی مفاد و غرض رکھتا ہو۔ ایسے افراد جو مفادات کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور دینِ فروشی پر اتر آتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے ان الفاظ میں مذمت فرمائی ہے:

"قَالَ رَسُولُ اللَّهِ إِنَّ أُنَاسًا مِنَ النَّاسِ مِنْ أُمَّتِي سَيَقْفَهُونَ فِي الدِّينِ وَيَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ وَيَقُولُونَ: نَأْتِي الْأُمَرَاءَ فنصيب من دنياهم ونعتزلهم بزيتنا؟ ولا يكون ذلك كما لا

يجتنى من القتاد الا الشوك كذا لك لا يجتنى من قرحهم".¹⁷

”رسول اللہ نے ارشاد فرمایا! ایسے لوگ میری امت میں ہونگے جو فقہ اور تفسیر کا علم حاصل کریں گے پھر وہ کہیں گے کہ اس میں کیا برائی ہے کہ ہم ارباب اختیار سے مل کر ان کی دنیا سے فائدہ اٹھائے اور دین کو ان سے محفوظ رکھیں حالانکہ یہ ناممکن ہے جیسے بول کے درخت سے کانٹے کے سواء اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا اس طرح ارباب اختیار سے گند کے سوا کوئی ما حاصل نہیں۔“

حدیث مبارکہ سے واضح ہے کہ ارباب اقتدار کے ساتھ دین کا تحفظ ممکن نہیں کیونکہ ارباب اقتدار کی خوشنودی، ان سے مفادات کا حصول اور ان سے جڑی امیدوں کا تسلسل انہیں اس بات سے عاجز بناتی ہے کہ حق بات کہہ دے۔

خوف کتمان حق کا دوسرا اہم سبب خوف ہے خوف مختلف قسم کا ہو سکتا ہے جان و مال سلب ہونے کا، اقتدار و کرسی چھن جانے کا، شہرت و جاہ کے خاتمے کا ہو سکتا ہے۔ بہت سے اعلیٰ مقاصد اس خوف کی وجہ سے مصلحت کا شکار ہو جاتے ہیں خوف وہ نفسانی کیفیت ہے جو انسان کو منزل تک پہنچنے سے معذور کرنے کے ساتھ کلمہ حق ادا کرنے سے عاجز کر دیتا ہے۔ اللہ نے اسے ہمت کے کاموں میں سے قرار دیا ہے لہذا خوف کے خاتمے کے ساتھ عظیم مقصد کا اعلان جہاد اعظم کہلاتا ہے:

((أَلَا لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلًا مِنْكُمْ هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ بِحَقِّ إِذَا عَلَّمَهُ))¹⁸

یاد رکھو! جب تم ایک حق جانتے ہو تو لوگوں کا خوف اور رعب تمہیں اس کے اظہار سے مانع نہ ہو۔“

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے

ما هو أعظم الجهاد؟ ((قال: أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر))¹⁹

سب سے بڑا جہاد کیا ہے؟ اس پر آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق ادا کرنا ہے۔“

موجودہ دور میں بھی اگر حدیث کے اس مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کلمہ حق ادا کرنے کی جرات پیدا کی جائے۔ لالچ اور خوف جیسے حق کی آواز دبانے والے عناصر سے احتراز کیا جائے تو اخلاقی اقتدار کی رُمق باقی رہے گی لیکن بد قسمتی سے اس جاگیر دارانہ نظام میں حصول مفادات کے لئے تمام جائز و ناجائز ذرائع استعمال ہوتے ہیں اور لوگ جان و مال کے خوف سے اور منفعت کی خاطر ضمیر کی آواز کا سودا کرنے پر راضی ہو جاتے ہیں۔ یہ اخلاقی تحدیات کے وہ اثرات ہیں جن کی وجہ سے معاشرتی رویوں میں اشتعال کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے سماج کا ہر فرد متاثر ہوتا ہے۔ ان اثرات کے پیش نظر اسلام نے ایسی تعلیمات پیش کی ہے جن کی تعمیل سے اس قسم کی نفسانی بیماریوں کی بیخ کنی ممکن ہو سکتی ہے۔ اس کا حل اظہار حق کے ذریعے معروف چیزوں کی رواج کو عام کرنا ہے اور اسلام کے حقیقی مفہیم کو عوام کے سامنے اجاگر کرنا ہے تاکہ روح اسلام کے مطابق افعال کی تشریح کی جاسکے۔

خدا خونی مسلم سماج کا ایک ایسا اہم خاصہ ہے جو انسانی اعمال کو ایک با مقصد جہت متعین کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے بد قسمتی سے الحادی نظریات اور مغربی افکار نے اس احساس کی شدت میں کافی حد تک کمی کی ہے حالانکہ اسلامی طرز زندگی اور اس کی روایات پر خدا خونی کا ہمیشہ راج رہتا ہے ایمان والوں کے دلوں میں یہ خیال غالب رہتا ہے کہ خدا کی محبت دوسری تمام محبتوں پر غالب ہے اور اس ذات کی عدم اطاعت مواخذے کا باعث بنتا ہے اس لئے وہ ہمیشہ رضا اور منشاء پروردگار کو تصحیح اعمال کی کسوٹی قرار دیتے ہیں

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ أُمْتُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرْوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ﴾²⁰

”لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے خدا کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ سے رکھنی چاہیے، اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے، اور کاش دیکھتے وہ لوگ جو ظالم ہیں جب عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان کی صفات میں یہ صفت قرآن کی نظر میں زیادہ نمایاں ہے کہ وہ اسی محبت کے باعث ہی آپس میں رحم دل اور کفار کے لئے سنگ دل ہوتے ہیں اور وہ خدا کے علاوہ کسی دوسرے کا خوف نہیں رکھتے کیونکہ غیر کے خوف سے ان کے رب نے تنبیہ کی ہے جیسا کی ارشاد ہوتا ہے

﴿لَا تَنْفَرُوا يُعَذِّبُكُم عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾²¹

اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ پیدا کرے گا اور تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿أَلَا تُفَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهْمُوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ

أَتَخْشَوْنَهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ أَخْفَىٰ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾²²

تم اس قوم سے نہیں لڑو گے کیا جنہوں نے توڑیں اپنی قسمیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا حالانکہ پہلی مرتبہ انہوں نے ہی تم سے ابتداء کی تھی تو کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ پس اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔“

اس خوف کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور اس نے دنیا کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا۔ لہذا اس حکمت بدیہی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک ایسا دن لائے گا کہ لوگوں کو ان کے نیک اعمال کا صلہ دیا جائے گا۔ اور فساد پھیلانے والوں کو ان کی فساد کا قرار واقعی سزا دے گا۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو اس کا معنی یہ ہوئے کہ اس کے نزدیک نیکی اور بدی میں سرے سے کوئی فرق نہیں ہے یہ فرض کرنا اللہ تعالیٰ کی صفات رحمت، ربوبیت، عدل اور قدرت و حکومت کی کلی نفی ہے۔

بد قسمتی سے فکری و اخلاقی تحدیات نے ان الوہی تصورات کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔ الحادی نظریات نے بلا واسطہ انسانی ایمانیات کو اپنی لپیٹ میں لیکر انسان کو صرف محسوسات کا قائل بنایا ہے جس سے گناہ کرتے ہوئے بیسویں صدی کا انسان جھجک تک محسوس نہیں کرتا نہ اس کے اعتقاد میں یہ راز باقی رہ چکا ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ وہ تمام تعلیمات اسلامی جن کو انتہائی تکالیف اور مصائب برداشت کرنے کے نتیجے میں ہم تک پہنچے ہیں اپنی جہالت سے ٹھکرایا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری مصلحت سمجھتے ہوئے حق تلفی کی جاتی ہے۔ جب تصور آخرت ہی ختم ہو جائے تو پھر انسان جو چاہے کر گزرتا ہے

اگرچہ حصول کی راہ میں حرام حائل ہی کیوں نہ ہو۔ یہ سب مغرب کے ملحدانہ نظریات کی اندھی تقلید کا شاخسانہ ہے جس کو ہمارے مسلم اکثریت نے جوں کے توں قبول کیا۔ مسلمان اس بات کے ادراک سے قاصر رہے کہ مغرب نے مذہب سے نفرت اہل کلیسا کے دوہری معیارات سے تنگ آکر کیا تھا جبکہ مسیحیت کی تعلیمات ایک مکمل ضابطہ حیات کے اصولوں سے عاری تھا۔ دیکھا دیکھی میں مغرب کی اتباع کرتے ہوئے ہمارے کچھ نا عاقبت

اندیش لوگوں نے بھی اسلام سے نفرت کرتے ہوئے اسے انیون سے تشبیہ دی حالانکہ دیگر مذاہب کی نسبت اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات رکھتا ہے۔

اخلاقی تحدیات کے معاشرتی اثرات اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کا تدارک

فکری تحدیات کے معاشرتی اثرات بھی انتہائی اہمیت کے حامل ہیں ان اثرات کی وجہ سے اخلاقی اقدار پر کافی قدغن لگ چکے ہیں فکری تحدیات کی یہ جہت معاشرتی انحراف پر مبنی رویے کا نام ہے جس میں سماجی حدود و قیود اور معاشرتی اصولوں سے تجاوز کیا جاتا ہے تاکہ غیر فطری امور کی انجام دہی ممکن ہو سکے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک سماجی مسئلہ اس وقت ست اٹھتا ہے جب بہت سے لوگ اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں اس حوالے سے دیکھا جائے تو معاشرتی مسائل وہ حالات ہیں جو کسی برادری یا اس کے کسی ایک شعبے کی ترقی یا پیشرفت کو روکتے ہیں چونکہ یہ عوامی مسائل ہیں لہذا ریاست پر واجب ہے کہ وہ حکومتی اقدامات کے ذریعے ان مسائل کو حل کرے۔

فحاشیت و عریانی کی نفوز پذیری

فحاشیت اور عریانی کا پرچار ہے اس قسم کی تحدیات نے مسلم سماج کے بنیادی تصورات کو بھی ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اسلامی سماج میں صنف نازک کی تکریم ایک رواج کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ صنف نازک سے تعلق کی بدولت انہیں وہ تمام حقوق حاصل تھے جن سے انسان کی عظمت و شرافت نکھر کر سامنے آتی ہے۔ عورت کی عظمت کے خاطر اسلام نے ان پر پردہ واجب کر دیا تاکہ اسے تمام تر تحفظ حاصل ہو۔ مغرب آج بھی عورت کے عدم تقدس اور عدم احترام کے باعث شکست و ریخت سے دوچار ہے اسلام نے عورت کو خاندانی اکائی قرار دے کر گھر میں مستقر رہنے کو ترجیح دی تو وہی مغرب نے اسے مادی فوائد کے حصول کے لئے اسے جو توں کی تشہیر کے لئے استعمال کیا اور اسے کاروباری ایٹم کے طور پر مارکیٹ میں متعارف کرایا۔ جس کی بدولت آج مارکیٹ میں اس کی قیمت کوئی زیادہ حوصلہ افزاء نہیں ہے۔

مغربی استکباری طاقتوں نے عورت کو خواہشات کی تسکین کا ذریعہ سمجھ کر ایک خاص ایجنڈے کے تحت عورت کو حفاظتی خول سے باہر نکالا کہ خاندان کی بنیادی اکائی مضطرب ہو۔ اس اکائی کے اضطراب سے پورے معاشرے میں اخلاقی اقدار کی دھجیاں اڑانے لگی۔ آج آزادی کے نام پر خواتین گھروں سے چوراہوں تک پہنچ چکی ہیں۔ نسوانیت میں حیا اور وفا ایک خواب کی صورت اختیار کر چکا ہے کھلے چوراہوں میں عورتوں کی نمائش اور عریانی کی حوصلہ افزائی سے غیر فطری حرکات اور زنا جیسے جرائم کو کھل کر اظہار کرنے کا موقع میسر آیا۔ مواقع اور ذرائع کی

فراہمی ہی انسان کو گناہ کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ آج اخلاقی اقدار سے عاری معاشرہ بے پردہ خواتین یہ تفاخر محسوس کرے تو لا محالہ اس کا نتیجہ جو انوں کو گناہ کی دعوت پر منتج ہو گا۔ حکماء کا قول بھی ہے زر، زمین اور زن یہ تین چیزیں ہیں جن پر انسان جان قربان کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ قرآن کے مطابق انہیں انسان کے لئے مرغوب بنا کر پیش کیا گیا ہے:

﴿زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْخَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾²³

آراستہ کی گئی ہے لوگوں کے لیے ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے اور سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔“

آیت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صنف نازک کو سونا چاندی کے مقابلے میں ایک ایسی شے قرار دیا ہے جس سے روحانی تسکین انسان کو حاصل ہوتی ہے مگر استکبار نے ایسے ماحول میں لاکھڑا کر دیا کہ جہاں اس کی عزت سے کھیلنا ایک معمولی عمل سمجھا جانے لگا ایسے میں بعض اوقات نیک خواتین اس ماحول کے زد میں آکر وحشی رویوں کا شکار ہوتی ہے ان مفاسد سے بچنے کے لئے اسلام نے ہمیشہ مرد اور عورت دونوں کے لئے نظریں جھکانے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہو رہا ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ * وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾²⁴

”ایمان والوں سے کہہ دو اے رسول مکرم کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کو بھی محفوظ رکھیں، یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے، بے شک اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں، اور مومنہ عورتوں سے کہہ دو اے رسول مکرم کہ (مردوں کے سامنے آنے پر) وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت و آرائش کی نمائش نہ کریں سوائے جسم کے اس حصہ کو جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے۔“

ان مذکورہ آیات سے واضح ہے کہ اہل ایمان کو ابصار یعنی نظر اور فروج کے تحفظ کے اقدامات پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی جا رہی ہے ان گزارشات سے عیاں ہے کہ نظر نامحرم مرد اور عورت کے درمیان گناہ کی طرف لیجانے والا بنیادی محرک ہے جو فوج پر منتہی ہوتا ہے آیت کی تفسیر میں علامہ طبری لکھتے ہیں:

يقول: يكفوا من نظرهم إلى ما يشتهون النظر إليه مما قد نهاهم الله عن النظر إليه. وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ { أَنْ يَرَاهَا مَنْ لَا يَحِلُّ لَهُ رُؤْيَاهَا، بلبس ما يسترها عن أبصارهم. } ذَلِكَ أَرْكَى لَهُمْ { يقول: فَإِنَّ غَضَاهَا مِنَ النظر عما لَا يَحِلُّ النظر إليه وحفظ الفرج عن أن يظهر لأبصار الناظرين، أظهر لهم عند الله وأفضل. ²⁵

ان شہوت والی چیزوں سے نظریں چرانا جن کی طرف دیکھنے سے اللہ نے منع فرمایا ہے اور ان شرم گاہوں سے حفاظت ضروری ہے جن کی طرف دیکھنا حلال نہیں ہے لہذا ایسی چیز پہن کر اس کی حفاظت کی جاسکتی ہے جو انسان کو نظروں سے چھپائے رکھیں اور یہ انسان کے حق میں اللہ کے نزدیک زیادہ پاکیزگی ہے۔“

صحابہ کرام کے دور میں ایک واقعہ ایسا پیش آتا ہے کہ

استغاف رجل ناسا من حذيل فارس لواء جارية لهم تحطبت فاعجبت الضيف فتبعها وارادها على نفسها نامتعت فعاركاها ساعة فانفلتت منه انفلاتة فرمته بحجر ففضت كبده فمات ثم جاءت إلى أهلها فاخبرتهم فذهب أهلها إلى عمر فاخبروه فارس عمر فوجد آثارهما فقال عمر قریل الله لا یواری أبدا. ²⁶

ہذیل کے پاس ایک شخص نے کچھ لوگوں کے لئے دعوت کی اور لکڑیاں کاٹنے کے لئے اپنی باندی کو بھیجا ایک کو مہمانوں میں سے کنیز پسند آگئی اور اس کے پیچھے چل پڑا اور اس کی عصمت لوٹنے کا ارادہ کیا لیکن اس باندی نے انکار کر دیا تھوڑی دیر ان دونوں میں کشمکش ہوتی رہی پھر وہ اپنے آپ کو چھڑانے میں کامیاب ہو گئی۔ اور ایک پتھر اٹھا کر اس شخص کے پیٹ پر مار دیا جس سے اس کا جگر پھٹ گیا اور وہ مر گیا پھر وہ اپنے گھر والوں کے پاس پہنچی اور انہیں واقعہ سنایا۔ اس کے گھر والے حضرت عمر کے پاس لے گئے اور آپ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمر نے واقعہ کی تحقیق کے لئے کچھ لوگوں کو بھیجا اور انہوں نے موقع پر ایسے آثار دیکھیں جس سے دونوں میں کشمکش کا

ثبوت ملتا تھا تب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا کے مارے ہوئے کی میت کبھی نہیں دی جاسکتی ہے۔“

اس واقعہ کا بغور جائزہ لینے سے یہ واضح ہے کہ گناہ کے ارتکاب کرنے کا محرک صرف پہلی نظر تھی کیونکہ کنیز کی اس شخص سے پہلے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی اس لئے نظریں جھکانے کا حکم دیا ہے تاکہ عصمت درمی سے محفوظ رکھا جاسکے۔ اسلام صنفِ نازک کے عصمت کی حفاظت اور ان کے رازوں کی پاسداری کو اولین ترجیح دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ پورا سماج صنفِ نازک کے احترام کا قائل ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ

أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾²⁷

اپنے گھروں کے سوا اور کسی کے گھروں میں نہ جایا کرو! ایمان والو! جب تک اجازت نہ لے لو۔“

سعد بن عبادہ کے گھر آپ ﷺ ایک مرتبہ تشریف لے گئے۔ اسلام علیکم کہا معمول کے مطابق۔ آہستہ سے وعلیکم سلام کہا سعد نے جواب میں۔ جو سن نہ سکے اس طرح تینوں بار ایسا ہی ہوا ہوا آخر جب آپ ﷺ کو یہ گمان ہوا کہ شاید گھر پر کوئی نہیں لہذا آپ ﷺ واپس جانے لگے تو حضرت سعد آئے دوڑ کر اور اپنے ساتھ آنحضرت ﷺ کو لے کر گئے عرض کیا جواب تو دیا تھا حضور ﷺ میں نے لیکن آہستہ سے میں یہ چاہتا تھا کہ آپ ﷺ زیادہ بار ہمارے لئے دعا کریں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے بھی اس طرح کی روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا:

((إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْزَنَ لَهُ فَلْيَجْعَ))²⁸

کوئی شخص جب تم میں سے تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو چاہیے کہ واپس چلا آئے۔

مذکورہ روایات و آیات سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اسلام نے جس قدر عورت کے عصمت و عفت کا خیال رکھا ہے اور کسی دوسرے مذہب میں اس قدر اہتمام نہیں کیا گیا کیونکہ اس اہتمام کے ذریعے ایک ایسی نسل کو پیدا کرنا ہے جو محرمات اور نجاست سے پاک، محبت و اخوت سے لبریز معاشرے کا ضامن ہو۔

بد قسمتی سے مغرب کے سیکولر والحادی نظریات نے عورت کو حفاظتی حصار سے نکال کر کھیل تماشے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ ڈرامائی سٹیج پر عورت جسے اسلام نے پھول قرار دیا تھا جوتوں کی مشہوری اور کاروبار کی زینت کے لئے

مہرہ قرار دیا جاتا ہے۔ حقوق کے نام پر اس کی عصمت و عفت اور اس کی چار دیواری کو پامال کیا گیا۔ استکباری قوتوں کو اس بات کا ادراک ہو چکا تھا کہ جو مقام عورت کو اسلام نے دیا ہے اس کے ہوتے ہوئے ان کا خواب جو مسلم معاشرے کے حلیے کو بگاڑنا تھا غیر فطری امور کو زندہ کرنا، سماج سے حلال و حرام کے تصورات کا خاتمہ، ظلم و جبر کے ذریعے خواہشات کی تکمیل، انسانی اقدار کا خاتمہ اور لوگوں کو خدا سے بیگانہ کرنا تھا۔ شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ لہذا مختلف ہتھکنڈوں سے نفاذیت کا پرچار کرنا شروع کیا تاکہ سماجی فساد اور انتشار کی بدولت مذموم مقاصد کا حصول ممکن ہو سکے۔

عالمی نظام میں غیر شرعی و فطری تعلقات

بیسویں صدی اور آخر کی اخلاقی تحدیات نے پاکستانی سماج کے عالمی نظام کو بھی کافی حد تک متاثر کیا ہوا ہے۔ وہ تمام سماجی تعلقات جو احترام اور تکریم پر مبنی تھے ان الحادی نظریات کی وجہ سے تصنع پرستی اور ریاکاری کا شکار ہوئیں ان تحدیات سے پہلے رشتے خونی و اخلاقی اقدار میں ڈھلے ہوئے تھے جہاں صلہ رحمی اور اقربا پروری جیسے عطوفات اسلامی سماج کا خاصہ ہوا کرتے تھے لیکن ان تحدیات کے بعد یہ تمام رشتے اپنی اصلیت کھوتے نظر آتے ہیں اس دور میں رشتے خون کی بنیاد پر استوار ہوا کرتے تھے لیکن بد قسمتی سے آج کل کے رشتوں میں مادی تصورات غالب آچکی ہیں اسلئے رشتہ داری میں آجکل مال و دولت اور پیسہ دیکھا جاتا ہے امیر و کبیر بے شک غیر ہی کیوں نہ ہوں ان کو رشتہ دار تصور کیا جاتا ہے جبکہ غریب رشتہ داروں کو اجنبی قرار دے کر دھتکارا جاتا ہے محرم اور نامحرم کی عدم تمیز سے وجود میں آنے والی نسل انسانی و اخلاقی اقدار سے مکمل عاری ہوتی ہے آج سماج کے اندر فطری حدود سے تجاوز کرنے والی تعلقات حرام تعلقات کا شاخسانہ ہے۔

﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحَرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾²⁹

زنا کار سوائے بدکار عورت یا مشرک کے نکاح نہیں کرے گا اور بدکار عورت سے سوائے بدکار مرد یا مشرک کے اور کوئی نکاح نہیں کرے گا، اور ایمان والوں پر یہ حرام کیا گیا ہے۔“

آج سماج میں اس آیت کے بہت سارے مصداق موجود ہیں اس سے بھی زیادہ خطرناک نتائج اس وقت سامنے آتے ہیں جب شادی شدہ جوڈاسیکولر ماحول سے متاثر ہو کر ناجائز تعلقات استوار کرنے لگتا ہے۔ ذیل میں فکری تحدیات کے عالمی نظام پر اثرات کا جائزہ لیا جاتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اسلام نظام کے عطا کردہ سماجی نوعیت کے حقوق کس قدر ان تحدیات سے متاثر ہو چکے ہیں۔

اسلام کسی طور اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ صنف مخالف کے درمیان خفیہ طور پر جنسی تعلق قائم ہو اور ان کے اندر احساسِ جرم پرورش پاتا رہے اور وہ اپنی ذمہ داریوں سے بچنے کی کوشش کریں لہذا ہدایت کی گئی کہ نکاح کے ذریعے زوجیت کو وجود میں لایا جائے اور معاشرہ اس بات سے واقف ہو کہ وہ دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو تاکہ بوقتِ ضرورت معاشرہ خود بھی ان کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں ان کی مدد کر سکے لہذا اسے کثرت سے کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَأَمَّا بَيْنَكُمْ أَنْ يَكُونُوا قُفَرَاءَ يُعْنِيهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾³⁰

نکاح کرادو جو تم میں مجرّد ہوں اور جو تمہارے غلام اور نیک لونڈیاں ہوں، اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا، اور اللہ کشائش والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

اسلامی سماج کو دو قسم کی تحدیات کا سامنا ہے۔ پہلا رہبانیت جو جنسی خواہشات کے خاتمے کا قائل ہے لیکن اسلام جنسی خواہشات کی تکمیل کے حق میں ہیں مگر ایک خاص روش پر جس میں انسانیت کی فلاح ہو، جس میں نسل انسانی کا تحفظ ہو جو فطرت سے زیادہ ہم آہنگ ہو اسلام ایسے تعلقات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

دوسری اباحت کا نظریہ ہے جو ہر قسم کے تعلق ہر جائز اور ناجائز کو مباح سمجھتا ہے محرم اور نامحرم میں کوئی تفریق نہ ہو قید و بند سے عاری نظامِ حیات کا خواہاں ہے اس سے نسل انسانی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس عمل سے معاشرہ جنسی انتشار اور آوارہ گی کا شکار ہوتا ہے اس سے آنے والی نسل اور ان کے فطرت سے ہم آہنگ رویوں کی ضمانت نہیں دے سکتا وہ نسل صرف ماں کا شناخت کر سکے گی باپ سے نا آشنا ہوگی بچوں کو عورت کے سر ڈال دیا جائے گا یا پھر دونوں ہی اس سے دامن کش ہو کر بچے کو کسی فلاحی ادارے یا ریاست کے حوالے کر دیں گے۔

آج اگر حالات کا جائزہ لیا جائے تو اولاد کی ذمہ داری سے چشم پوشی کے لئے مغرب میں بے اولاد ہونے Child Less Family کا رجحان عام ہوتا جا رہا ہے اس کے نقصانات بالکل واضح ہے کہ اس سے احساسِ ذمہ داری سے آنکھ چرانے اور ذاتی لذت کے حصول کا مزاج پیدا ہوتا ہے اس رجحان کے عام ہونے کی صورت میں معاشرہ افرادی طاقت سے محروم ہونے کے ساتھ ضروریات کی تکمیل کے لئے غیروں کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔

اس حوالے سے پاکستانی سماج اخلاقی تحدیات میں گرا ہوا نظر آتا ہے لوگ نکاح کو نہیں زنا کو ترجیح دے کر اپنی خواہشات کی تسکین چاہتے ہیں تاکہ خواہش پوری ہونے کے ساتھ ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کر سکے۔ معاشرے کو جنسی انتشار اور آوارگی سے تحفظ دینے کے لئے سماج میں تعلیماتِ اسلامی کا نفاذ ضروری ہے تاکہ

خواہشات کی تسکین فطری اصولوں کے عین مطابق ہو اس کا مفاد عامہ یہ ہو گا کہ معاشرہ اخلاقی اصولوں پر استوار ہو گا اور نسل انسانی آفاقی تعلیمات اور خدا کی طرف متوجہ ہوگی۔

عصر حاضر میں بھی اخلاقی تحدیات کے اثرات مختلف سماجی تعلقات کے ضمن میں دیکھے جاسکتے ہیں کہ کس قدر مغربی انحصار کی وجہ سے یہ تعلقات متاثر ہوئے ہیں اس سلسلے میں والدین اور اولاد کا آپس میں تعلق زیادہ نمایاں ہے یہ رشتہ احترام اور تکریم پر مبنی ہے اس رشتے کے عدم احترام پر دنیاوی و اخروی اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کی نا فرمانی سے دونوں جہانوں میں ناکامی اور نامرادی انسان کا مقدر بن جاتی ہے الحادی نظریات کی وجہ سے ان کا وقار بھی اب وہ نہیں رہا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ إِنَّمَا يُبَلِّغَنَّ عَنْكَ الْكِبَرُ أَخَذَهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۖ وَخَفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾³¹

”فیصلہ کر چکا ہے تیرا رب، اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف بھی نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے ادب سے بات کرو۔ اور ان کے سامنے شفقت سے عاجزی کے ساتھ جھکے رہو اور کہو اے میرے رب جس طرح انہوں نے مجھے بچپن سے پالا ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما۔“

والدین کی عظمت اس حدیث سے بھی واضح ہے کہ

عن أبي هريرة قال: جاء رجل إلى رسول الله فقال: من أحق الناس بحسن صحابتي؟ قال أمك قال ثم من؟ قال ثم أمك، قال ثم من؟ قال أمك قال ثم من؟ قال أمك.³²

رسول اکرم کے پاس ایک شخص آئے اور کہا کہ زیادہ حقدار کون ہے میرے حسن سلوک کا؟ تو آپ نے فرمایا پھر کون زیادہ حقدار ہے فرمایا آپ کی ماں پھر کہا اور کون، فرمایا آپ کا باپ۔“

مذکورہ آیات اور روایات سے واضح ہے کہ آدمی پر خدا کے بعد والدین ہی کا سب سے بڑا حق ہے۔ والدین جنہوں نے اپنی اولاد کے لئے دن و رات محنت کر کے ان کی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آج وہی اولاد انہیں اپنے ساتھ گھر پر رکھنے کے لئے گوارہ نہیں کرتے انہیں مغربی تہذیب کے اختراع کردہ

اولڈ ہاؤس میں محصور کیا جاتا ہے۔ صرف انہیں کھانا بہم پہنچایا جاتا ہے باقی حال احوال پر سی باعث عار سمجھتے ہیں۔ اولاد کی تمنایہ ہوتی ہے کہ کب ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرے اور ان کی جائیداد اور وراثت کو تدفین و تجہیز سے پہلے ہی تقسیم کرے۔ یہ سب ان مغربی افکار کی مرہونِ منت ہے جن کی بدولت انسانی ہمدردی اور والدین کی ممتا کو دنیا پرستی کے غلیظ تصورات کی نذر ہو گئیں۔ مغربی الحادی افکار نے مسلم سماج سے خداخونی کا خاتمہ کرتے ہوئے انسان کو ایسی راہ پر چڑھایا جہاں ذات پرستی، مفاد پرستی اور حیوانیت راج کرتی ہے جس سے سماجی تعلقات میں دنیا پرستی، مفاد پرستی اور ذات پرستی جیسے عناصر شامل ہو گئی۔ آج کا انسان عطوفت سے عاری ہونے کی وجہ سے اس کے ارد گرد رہائش پذیر افراد کے حال و احوال سے بالکل لابلہ ہے اسے صرف اپنی ذات اور بچوں کی فکر ہے اسے کوئی پرواہ نہیں کہ اس کے ہمسائیگی میں پڑوسی بھوکے سو رہے ہیں یا نہیں؟ حالانکہ قرآن نے انہیں صاحبِ الجنب سے تعبیر کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ہمسائیوں کے حقوق کی بہت تاکید فرمائی ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله قال: مازال جبريل يوصيني بالجوار حتى ظننت أنه سيورثه. 33

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل نے مجھے پڑوسی کے بارے میں نصیحت کرنی شروع کی تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اب وہ حصہ دار بنادیں گے اس کے وراثت میں۔“

رسالت ماب ﷺ نے ایمان کا حصہ قرار دیا ہے ہمسائے کے حقوق کی ادائیگی کو جیسا کہ حضرت ابو شریح سے مروی ہے:

أن النبي ﷺ قال: والله لا يؤمن، والله لا يؤمن، والله لا يؤمن قيل ومن يا رسول الله؟ الذي لا يأمن جاره بوائقه. 34

رسالت ماب ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں، خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں، خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں، خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں، عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ کون؟ فرمایا کہ جس کا ہمسایہ اس کی ایذا رسانی سے محفوظ نہیں۔“

بد قسمتی سے مادیاتی سوچ کے نتیجے میں جو رویے سماج میں پنپ رہے ہیں ان کا معیار بھی مادی ہے یعنی ان ہمسائیوں کی طرف متماثل بالکل نہ ہونے کے برابر ہے جن کی مالی و اقتصادی حالت بہتر نہیں اگرچہ وہ قرا بتدار ہی کیوں نہ ہو جبکہ دوسری طرف وہ اجنبی بھی قرا بتدار گردانے جاتے ہیں جو صاحب استطاعت اور مالدار ہو۔ لیکن آفاقی تعلیمات ان

مادی فرسودہ تصورات کو قبول نہیں کرتی بلکہ خونی، زمانی اور مکانی قربت کا لحاظ رکھتے ہوئے حقوق کی رعایت کرتا ہے اس سلسلے میں آنحضرت سے مروی بھی ہے کہ

عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْجَارُ أَحَقُّ بِسَقْبِهِ. ³⁵

حضرت ابو رافع رضی اللہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: ”پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے استحقاق رکھتا ہے۔“

اس روایت سے واضح ہے کہ ہمسایہ کے حقوق خونی معیارات پر مبنی نہیں بلکہ اس کا معیار قرب مکانی کا ہونا ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی روایات کی روشنی میں سماجی رویوں پر نظر ثانی سے انسانی اقدار اور جذبات کا احیاء کیا جاسکتا ہے۔

سوشل میڈیا کا بے دریغ استعمال

سوشل میڈیا اطلاعات بہم پہنچانے کا ایک تیز ترین ذریعہ ہے جس کے اثرات شب و روز تیزی سے مرتب ہو رہے ہیں دنیا ایک گلوبل ویلج بن چکی ہے جس کے مثبت اور منفی اثرات ہمیں تیزی سے پھیلنے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں آج اگر دیکھا جائے

تو زندگی کا ہر طبقہ یعنی 5 سال کے بچے سے لیکر بوڑھے شخص تک کو موبائل فون کے جادو نے اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ موبائل فون نے نوجوانوں کی ذہنی صلاحیات کو اس قدر مصروف کر دیا ہے، دن رات، سردی و گرمی، بیماری و تندرستی، لیکن موبائل فون ضرور ہوتا ہے ہاتھ میں۔ موبائل فون کے مثبت اور منفی استعمال کے فوائد اور نقصانات ضرور ہیں استعمال کے وقت بندے کو تھوڑا سوچنا چاہیے اُن کا اُن کا قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے نہ صرف ان کا وقت ضائع ہو جاتا ہے بلکہ پیسے کے ساتھ ساتھ اس کے صحت بھی بڑی طرح متاثر ہو جاتی ہے پڑھائی کی طرف سے ان کا دھیان چلا جاتا ہے صبح کلاسوں میں دیر سے آنا اگر کسی ٹیچر نے آسائمنٹ دی ہو وہ پوری نہیں کرنا یہ سب موبائل کے رفا استعمال کے کارنامے ہیں۔

سوشل میڈیا پر ویگیٹڈ اکا سب سے بڑا ٹول بن کر سامنے آیا ہے نوجوان نسل کیلئے یہ پسندیدہ مشغلہ ہے سوشل میڈیا پر کوئی بھی شخص کبھی بھی کوئی بھی مواد اپ لوڈ کر سکتا ہے اور ہم یہ اندازہ نہیں لگا پاتے کہ اپ لوڈ کرنے والا شخص کون تھا اور کس ادارے سے اس کا تعلق ہے بہت بڑی تعداد میں جعلی اکاؤنٹس سوشل میڈیا پر موجود ہیں جسے کسی صورت اخلاقی حرکت نہیں کہا جاسکتا۔

سوشل میڈیا میں فیس بک جیسے ایپلیکیشنز سے معاشرے میں عدم برداشت افواہ سازی اور جہالت جیسی برائیاں جنم لے رہی ہیں اور سوشل میڈیا سے بننے والے رویوں کی وجہ سے ہمارا مذہب تیزی سے متاثر ہو رہا ہے ان سائنٹ پر جہالت اور جھوٹ پر مبنی اقوال ذریں اور احادیث کو پھیلا یا جا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج جھوٹ تیزی سے اپنی جڑیں پھیلا رہا ہے۔

ان مذکورہ گزارشات سے معلوم ہوتا ہے کہ سوشل میڈیا اخلاقی تحدیات کے لئے ایک بہت بڑا عامل بنتا جا رہا ہے کیونکہ اس کے غلط استعمال سے نوجوان نسل بے راہ روی شکار ہو رہی ہے والدین اور معاشرتی اقدار سے بغاوت کرتے ہوئے بہت سے بچے نافرمانی کا جہاں شکار ہوئے وہی ایک محدود تعداد موت کے منہ میں چلی گئی۔ پب جی گیم جیسی لھو لعب قسم کی سرگرمیوں سے ساری رات کے جگرتے نوجوان نسل کو خدا سے دور کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی۔ تربیت کا سارا انصرام والدین سے موبائل تک منتقل ہو چکا ہے اب میڈیا کی مرضی سے بچے پرورش پائینگے۔ والدین سے بچوں کا کوئی لینا دینا باقی نہیں رہا اور یہ پورے سماج کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ بن چکا ہے ابھی آسانی سے استکباری طاقتوں کی دسترس ہمارے نوجوان اور شیر خوار بچوں تک ہو چکی ہے اب بیرونی طاقتوں کے ایجنڈے انتہائی غلت سے تازہ دم دماغوں تک پہنچ کر کاروائی کا آغاز کر چکے ہوتے ہیں ایسے میں والدین کی ذمہ داری ہر حوالے سے بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کے منتشر خیالات کو اسلامی تعلیمات سے بھر دیں بچوں کو اخلاقی قدروں سے روشناس کرائے اور آنے والے مسائل سے نمٹنے کے لئے آمادہ کرے۔

اندھی تقلید

تقلید سے مراد دلیل کی چھان بین یا پرواہ کئے بغیر کسی کا ہم کلام ہونا یا قول و فعل میں کسی کی پیروی کرنا ہے۔ موجودہ دور میں پاکستانی معاشرہ اس کا مصداق اکمل اور اتم مصداق بنا ہوا ہے جہاں سنی سنائی ہوئی باتوں پر زیادہ اطمینان کیا جاتا ہے یہ مسئلہ مسلمانوں کے لئے عموماً عالمگیریت رکھتا ہے آج بھی مسلمانوں کی زوال کی وجہ اندھی تقلید ہے یہ خود تفحص اور ریسرچ کو زحمت سمجھ کر تساہل پسندی سے کام لیتے ہیں کہیں تخلیقی ذہن زندہ نہ ہو جائے۔ اس لئے خود در زندگی کڑوی لگتی ہے اس کیفیت کو اگر سابقہ حالات سے موازنہ کیا جائے تو مضائقہ نہیں اکثر لوگوں کے خیال کے مطابق تحقیق اور تفحص کے بغیر ان کے بڑوں کے خیالات ان کے نزدیک حقائق پر مبنی ہے وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے گویا کہ عملی طور پر انہیں وہ معصوم متصور کرتے ہیں اس سے حق اور سچ کو نقصان پہنچتا ہے اور حق پرستی کا دامن ہاتھ سے چھٹ جانے کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے اگر آج کی حالات کو عہد رسول ﷺ سے موازنہ کر لیا جائے تو بہت سے چیزیں مشترک نظر آتی ہیں حق کے بجائے ذات پات اور قوم قبیلے کو مقدم کیا جاتا ہے جو بات قوم

کے کسی فرد سے منسوب ہو بقیہ نسلیں چھان بین کئے بغیر نوشتہ دیوار تصور کرتی ہے اور اسے سنہری حروف سے یاد کرتی ہے کسی کو اس پالیسی سے اختلاف کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ اس قسم کے رویوں سے حقوق تلف ہو جاتے ہیں۔ ذات پات کے چکر میں میرٹ کی پامالی کی وجہ سے افراطی و فرتی و فرقہ وارانہ فضا قائم ہونے لگتی ہے اس انتشار سے معاشرے کو بچانے کے لئے اسلام نے آباؤ اجداد کی تقلید کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

أَبَاءَنَا أُولَوْكَ كَانَ أَبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾³⁶

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے نازل کیا ہے اس کی طرف آؤ اور رسول کی طرف، تو کہتے ہیں کہ ہمیں وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ علم رکھتے ہوں نہ انہوں نے ہدایت پائی ہو۔“

رسالت مآب ﷺ کے دور کو موجودہ دور سے موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں زیر بحث موضوعات بت پرستی اور آباء و اجداد کی تقلید تھی قدیم زمانے سے عرب رواج کا یہ حصہ رہ چکا تھا کہ وہ بتوں کی پوجا کرتے اور رسالت مآب ﷺ جب ان سے روکتے تو آباء و اجداد کا دفاع کرتے ہوئے آپ ﷺ کی مخالفت کرتے۔ اس کی تفسیر میں ابن کثیر لکھتے ہیں کہ وہ سیدھا سیدھا ایک گمراہ راستے کی پیروی کرتے ہیں:

"لا يفهمون حقاً، ولا يعرفونه، ولا يهتدون إليه، فكيف يتبعونهم والحالة هذه؟ لا

يتبعهم إلا من هو أجهل منهم وأضل سبيلاً".³⁷

انہیں نہ سمجھ اور نہ پہچان ہے اور نہ ہی وہ ہدایت یافتہ ہیں ایسی حالت میں کیسے ان کی اتباع کی جاسکتی ہے لہذا ان کی اتباع ایسا شخص ہی کر سکتا ہے جو ان سے بھی زیادہ جاہل ہے اور وہ گمراہ کن راہ ہے جس پر وہ عمل پیرا ہے۔“

قرآن مجید میں بعض دوسرے مقامات پر بھی اس قسم کی خدا شناسی جیسے اصول میں اندھی تقلید کی شدید الفاظ میں مذمت کرتا ہے۔

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْتَبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أُولَوْكَ كَانَ

الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ﴾³⁸

اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ اللہ نے جو نازل کیا ہے اس کی اتباع کرو تو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ بھلا اگر شیطان ان کے باپ دادا کو دوزخ کی آگ کی طرف بلاتا رہا ہو (تو کیا یہ ان کے ساتھ دوزخ میں چلے جائیں گے)۔“

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ ءَابَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ ءَابَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾³⁹

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے اتاری ہے تو کہتے ہیں ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو (چلتے ہوئے) پایا ہے۔ تو کیا اگرچہ ان کے باپ دادا بے عقل اور گمراہ ہوں (تب بھی یہ انہی کی پیروی کیے جائیں گے)۔“

ان آیات کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ فرسودہ روایات اور حقائق کی تلاش میں آبا و اجداد کی اندھی تقلید حالانکہ اس مسئلے کے بارے میں نہ ان کو فہم تھی اور نہ ادراک تھا ویسے ہی اجداد کے نام پر ان کی اتباع جیسے کل ناقابل معافی جرم تھا ویسے ہی آج بھی قابل مواخذہ عمل ہے کیونکہ اس سے حقدار کا حق تلف ہونے کے ساتھ نا انصافی پر مبنی معاشرہ وجود میں آ جاتا ہے یعنی ایک شخص کی ذاتی پسند اور ناپسند پر اعمال کا موقوف ہونا لازم آتا ہے جبکہ وہ عمل علم و حکمت سے عاری ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بات اخلاقیات سے بلا واسطہ متعارض ہے کیونکہ اخلاقیات کا تقاضہ یہ ہے کہ کسی کے ساتھ کسی قسم کی نا انصافی نہ ہو عدل کی نظر سے سب انسانوں سے سلوک کیا جائے میرٹ کو بحال رکھا جائے اس سے باصلاحیت لوگوں کو آگے بڑھ کر کام کرنے کا موقع ملے گا اور جب نظام سماج کے قابل افراد کے ہاتھ ہو گا تو ترقی اور خوش حالی اس قوم کا مقدر بنے گی۔

عصبیت

اخلاقی تحدیات کے اسباب میں سے ایک اہم سبب عصبیت ہے اس نے پاکستانی سماج کو اندر سے دیمک کی طرح چاٹا ہے آج علاقائی، لسانی اور قبائلی تعصبات کی وجہ سے پاکستانی سماج منقسم ہے لوگوں میں یہ عناصر زیادہ مرغوب اور پرکشش ہیں جبکہ پاکستانیت ایک محروم تصور کے طور پر سامنے آتا ہے لغت کے اعتبار سے اس سے مراد عصب کا لفظی معنی ہے ”بدن کا پیٹھ“ اور عصبہ عربی زبان میں والد کی طرف کے رشتہ داروں کو کہتے ہیں کیونکہ معاشرہ میں عموماً داد دھیل (باپ کے رشتہ دار) ہی کی وجہ سے خاندان کی تقویت کا معیار سمجھا جاتا ہے اور انہی رشتہ داروں کی طاقت کو اگلی نسل اپنی طاقت سمجھتی ہے اس لیے عصبیت اور تعصب کا مفہوم اہل لغت نے یہ بیان کیا

کہ ”اپنے آباؤ و اجداد اور اپنی قوم پر فخر کرنا، ان کی حمایت کرنا، لیکن اسلامی اصطلاح میں تعصب کا مفہوم رسول اکرمؐ نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا، جب وثالثہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! عصبیت کیا ہے فرمایا، عصبیت یہ ہے کہ تو ظلم پر اپنی قوم کی حمایت کرے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾⁴⁰

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو، بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔“

اس آیت کریمہ میں یہ بات واضح ہے کہ قوم اور قبیلہ کا مقصد صرف انسان کا تعارف ہے اور سب انسانوں کا اصل ایک ہی ہے پس اگر کوئی اپنی عظمت اور تکریم کو ثابت کرنے اپنی قوم یا قبیلہ کا سہارا لیتا ہے تو ایسا ممکن نہیں ہے قرآنی معیار کے مطابق تکریم صرف اور صرف تقویٰ الہی میں ہے اسی ہی کے ذریعے انسان شرف پاتا ہے علامہ بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ فَإِنَّ التَّقْوَىٰ بِهَا تَكْمِلُ النُّفُوسَ وَتَتَفاضَلُ بِهَا

الأشخاص، فمن أراد شرفاً فليتلصص منها كما قال عليه الصلاة والسلام "من سره

أن يكون أكرم الناس فليتق الله" وقال عليه الصلاة والسلام "يا أيها الناس إنما

الناس رجالان مؤمن تقي كريم على الله، وفاجر شقي هين على الله".⁴¹

پس تقویٰ ہی تو ہے جو انسانوں کو کمال تک پہنچاتا ہے اور اسی کے ذریعے لوگ فضیلت پاتے ہیں پس اگر کوئی عزت کا خواہاں ہو تو اسے چاہیے تقویٰ کو اپنائے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اکرم الناس ہونے کی راز یہ ہے کہ وہ تقویٰ الہی اختیار کرے اور پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے لوگو! لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو متقی اللہ پر ایمان رکھنے والا اور دوسرا فاجر و شقی جو اللہ پر بدگمانی کرنے والا ہے۔“

یہ بات حقیقت پر مبنی ہے خاندانی، قبائلی اور لسانی تقسیم خلاف فطرت اور خلاف اسلام نہیں البتہ اس کا استعمال غلط ہو رہا ہے۔ اس تقسیم کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی شناخت کر سکیں ایک دوسرے کی پہچان ہو سکے کہ یہ شخص فلاں ملک میں سے فلاں صوبہ کے فلاں شہر کے فلاں قبیلہ اور برادری کے فلاں خاندان سے

ہے لیکن اب یہ تقسیم تعصب کے لیے استعمال ہونے لگی ہے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنے خاندان یا اپنی قوم سے محبت رکھنا عصبیت میں داخل نہیں۔

مسند احمد اور ابن ماجہ میں عبادۃ بن کثیر شامی سے ایک فلسطینی عورت فسیدہ نامی کی اپنے والد سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ آدمی اپنی قوم سے محبت کرے تو کیا یہ عصبیت میں داخل ہے آپ نے فرمایا نہیں لیکن عصبیت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی قوم کی حمایت کرے حالانکہ وہ قوم ظلم کر رہی ہو۔⁴²
عن جبیر بن مطعم أن رسول الله ﷺ، قال: "ليس منا من دعا إلى عصبية، وليس منا من قاتل على عصبية، وليس منا من مات على عصبية".⁴³

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: ”ہم میں سے نہیں وہ شخص جو کسی عصبیت کی طرف بلائے، وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بنیاد پر لڑائی لڑے، اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو تعصب کا تصور لیے ہوئے مرے۔“

حدیث مبارکہ میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے

"عن بنت وائلة بن الاسقع، انها سمعت اباها، يقول: قلت: يا رسول الله، ما العصبية؟ قال: ان تعين قومك على الظلم".⁴⁴

وافلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول: عصبیت کیا ہے؟ تو رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: ”عصبیت یہ ہے کہ تم اپنی قوم کا ظلم و زیادتی میں ساتھ دو، اور ان کی مدد کرو۔“

ان احادیث کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے عصبیت ایسا معاشرتی کینسر ہے جو اخلاقی بنیادوں کو کمزور کر دیتی ہے اور سماج میں مختلف اخلاقی تحدیات کو جنم دیتی ہے اس لئے اسلام میں اس کے غلط استعمال کی مذمت کی گئی ہے اور عصبیت کو ہوا دینے والوں سے آنحضرت ﷺ نے اظہارِ برأت فرمایا ہے۔

اخلاقی تحدیات کے معاشی اثرات اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کا تدارک

یہ بات عمومی مشاہدے میں آتی ہے کہ انسان اپنے معاشی مسائل کے حل کے لئے جنون کی حد تک مصروف عمل رہتا ہے تاکہ اس کی اور اس کے اولاد کی زندگی آسودگی اور سکھ سے گزر سکے، یہ بات حقیقت ہے کہ انسان کی زیادہ تر صلاحیات اس کے معاشی مسائل کی وجہ سے ہی مانڈ پڑ جاتی ہے لہذا اس معاشی تگ و دو میں بعض دفعہ اس کی سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں ماؤف ہو جاتی ہیں، اور وہ اپنے ہوش و ہوا اس تک کھو بیٹھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان

اثرات کی وجہ سے پورا سماج اخلاقی اقدار کھونے کے ساتھ انسانی حقوق پامال ہوتا دیکھ رہا ہیں ان میں سے ایک اہم اثر جس کی وجہ سے معاشرہ مفلوج ہو چکا ہے وہ حلال و حرام کی عدم تمیز ہے۔

نظام معاش میں حلال و حرام کا امتزاج

اخلاقی تحدیات کے اسباب میں سے ایک اہم سبب اکتساب میں حلال و حرام کا امتزاج ہے بد قسمتی سے پاکستانی سماج میں مادی نظریات کی وجہ سے حلال و حرام میں تمیز تقریباً مفقود ہوتی جا رہی ہے جس کے اثرات بلا واسطہ انسان کے کی فکر و سوچ پر پڑ رہی ہے ان افکار کی بدولت کافی حد تک حرام و حلال اور جائز و ناجائز اسلامی تصورات اور معیارات یکسر بدل گئے ہیں خصوصاً اسلام کے اقتصادی متعین کردہ اصول الحادی نظریات کے زیر اثر آچکے ہیں جس کی وجہ سے مسلم سماج نے انہیں قابل تقلید سمجھ کر خندہ پیشانی سے قبول کیا جو کہ اسلام سے کھلی بغاوت ہے اس سلسلے میں الحادی نظام نے تصور حلال و حرام کے ضمن میں فکر اسلامی کو تبدیل کرنے پر زور دیا ہے۔ لہذا اس ہدف کے حصول کے لئے سودی نظام کو مسلم معاشرے پر مسلط کیا گیا جس نے فکر اسلامی کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ قرآن کریم نے سودی نظام کو شدت سے ٹھکرایا ہے اور اسے خدا اور رسول کے خلاف اعلان جنگ گردانا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ * فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتِغُوا فَلََكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾⁴⁵

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ باقی سود رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے اگر تم نے نہ چھوڑا تو، اور اگر

توبہ کر لو تو اصل مال تمہارا تمہارے واسطے ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔“

آج بد قسمتی سے پاکستانی سماج سودی کاروبار کے لپیٹ میں ہے حرام کی کمائی سے شکم کی آگ بجھائی جا رہی ہے آفاقی تعلیمات کو دل و جان سے قبول کرنے والوں کی تعداد انتہائی قلیل ہیں لیکن اکثریت ایسے لوگوں کی ہیں جو آفاقی تعلیمات سے باغیانہ زہن رکھتے ہیں ایسے میں حرام کی کمائی سے نمونہ پانے والی فکر سے اخلاقی اور فطری اصولوں کی دھجیاں اڑانے کے علاوہ کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

سائنس سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حلال و حرام کے اثرات انسان کی روحانیت پر پڑتی ہے جس سے اس کے عادات و اطوار میں فساد یا نکھار آتا ہے اگر انسان حلال غذا استعمال کرے تو اس سے اچھی صفات پیدا ہوں گی

مثلاً حلال کھانے سے دل میں نورانیت پیدا ہوتی ہے عبادات بڑے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے یوں مثبت سوچ کے ساتھ فکر آخرت اجاگر ہوتی ہے اور اگر انسان کا کھانا پینا حرام ہو گا تو سب سے پہلا اثر انسان کی دل پر پڑتا ہے اور دل تاریک اور سخت ہو جاتا ہے جس سے خدا کا خوف انسان کے دل سے ختم ہو جاتا ہے اچھے اعمال کی توفیق بندے سے بھٹکتی جاتی ہے اور اس پر برے خیالات مسلط ہو جاتے ہیں اور اس پر ہر وقت نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے اور اس کی زندگی برے اخلاق کا مجموعہ بن جاتی ہے اور یہ شخص لالچ اور پریشانی میں مبتلا رہتا ہے۔

الحادی نظریات کی بدولت باقاعدہ سوچی سمجھی سکیم کے تحت نظام معاش کو نظام اخلاق سے جدا کیا گیا اس کے بعد سرمایہ دار کو کھلی چھوٹ مل گئی کہ وہ سرمائے کے تحفظ کے لئے سودی کاروبار کو پھیلائیں اس سے امیر عروج کو پہنچا اور غریب غریب تر ہوتا چلا گیا۔ ارتکاز دولت کا یہ ظالمانہ نظام انسانیت پر ظلم و قہر بن کر اترا۔ اس کا لازمی نتیجہ معاشرے میں معاشی عدم توازن اور بد حالی کی صورت میں نکلا رسالت مآب ﷺ نے سودی کاروبار کو حرام قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

الا کل شئ من امر الجاهلیۃ موضوع تحت قدمی، وان کل الربا موضوع ولکم رؤوس أموالکم لا تظلمون ولا تظلمون قضی اللہ انہ لا ربا وان أول الربا ابداء به ربا عمی العباس بن عبد المطلب.⁴⁶

آگاہ رہو تمام لوگ امور جاہلیت میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں اور ہر سودی معاملہ کا عدم ہے اور تمہیں اصل پونجی لینے کا حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ سودی معاملہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور جو سود میرے چچا عباس ابن عبد المطلب کا وصول طلب ہے سب سے پہلے میں وہ تمام کا تمام ختم کرتا ہوں۔

سودی نظام مختلف ادوار میں مختلف شکلیں بدلتا ہوا کپٹلیزم کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہوا۔ بڑی صنعتوں کے قیام کے لئے وسیع فنڈ کی ضرورت پڑی۔ تو بینک نے اسے سود پر آگے سرمایہ دار کو پیسہ دیا اور بینک عوام سے پیسہ لے کر مختصر رقم کے عوض سرمایہ دار کو دیتے یوں غریبوں کی مختصر رقم پر بینک کاروبار کر کے ارب پتی بن گیا جبکہ غریب پہلے سے ابتر حالت پر قائم رہے۔

ان مذکورہ گزارشات سے واضح ہے کہ الحاد اور سیکولر نظریات نے مسلم سماج کو کسی قدر مذہبی تعلیمات سے دور کر کے فاسد تصورات کو مسلمانوں پر مسلط کیا اور اخلاقیات کی دھجیان اڑادی اور ان تصورات ہی کی بدولت آج کا پاکستانی سماج مختلف اخلاقی تحدیات کا شکار ہے۔ مسلمانوں کی بد قسمتی یہ ہے کہ ان نظریات کی جانچ پڑتال کئے

بغیر مسیحیت کی اندھی تقلید میں اسلامی تعلیمات سے کنارہ کشی اختیار کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان آج غربت کے مسائل سے جان نہیں چھڑا سکا۔

آج دنیا بھر میں پھر اس مغربی نظام معیشت کے خلاف آواز اٹھائی جا رہی ہے کیونکہ اس نظام سے غربت میں اضافہ ہوتا ہی چلا گیا جس سے دن بدن نئے معاشی چیلنجز کا سامنا کرن پڑ رہا ہے۔ اگر دنیا آج بھی اسلامی معاشی اقتصاد کی پیروی کرے تو دنیا سے بہت جلد غربت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

خلاصہ بحث

افکار و اخلاق ان امور میں سے جو غرض بعثت انبیاء قرار پائے ہیں جن کا تعلق اجتماعی اور معاشرتی زندگی سے ہیں انہی کی بدولت سماج میں انسانی اقدار زندہ بھی رہتی ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں معاشرہ جنگل کا منظر پیش کر رہا ہوتا ہے انبیائے کرام نے اپنی تبلیغات میں ان دو امور پر خاص توجہ دی ہے آپ علیہم السلام نے لوگوں کو ان دو امور کی طرف بلانے میں کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کی بلکہ اس جہاد میں لوگوں کو بڑے بڑے فرائین سے نجات دلانے آخری حد تک گئے کیونکہ افکار اور اخلاق کسی بھی معاشرے کی جان ہوا کرتے ہیں اسی کے ارد گرد معاشرے کا جنت اور جہنم چکر لگاتا رہتا ہے۔ ان کی اہمیت کے پیش نظر دشمن آج بھی یہی سمجھتا ہے کہ سب سے پہلے افکار اور تعلیمات پر حملہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں حملے کی جہات مختلف نوعیت کی ہوتی ہے بد قسمتی سے آج پاکستانی مسلم معاشرہ فکری اور اخلاقی تحدیات کے لپیٹ میں ہے الحادی نظریات اور مادی تصورات کی بدولت موجودہ نسل اسلام سے دور ہوتی جا رہی ہے مغرب کی تقلید کو اپنے لئے باعث نجات سمجھتے ہیں وہی وجہ ہے کہ آج مسلمان دنیا میں اپنا مقام کھوتے جا رہے ہیں ہر محاذ پر شکست خوردہ دکھائی ہے سماج کے ان پر آشوب حالات میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئے بغیر ان فکری اور اخلاقی مسائل پر قابو پانا ممکن نہیں۔

(الهوامش References)

¹۔ سورۃ البقرۃ: 286

Sūrat Al-Baqarah: 286

²۔ سورۃ البقرۃ: 121

Sūrat Al-Baqarah: 121

³۔ سورۃ البقرۃ: 121

Sūrat Al-Baqarah: 121

- 4۔ سورۃ البقرۃ: 121
Sūrat Al-Baqarah: 121
- 5۔ سورۃ آل عمران: 105
Sūrat Aaly-Imran: 105
- 6۔ سورۃ آل عمران: 103
Sūrat Aaly-Imran: 103
- 7۔ سورۃ الأنعام: 153
Sūrat Al-An'am: 153
- 8۔ احمد بن حنبل، المسند، مترجم محمد ظفر اقبال، مولانا، مکتبہ رحمانیہ، طبع دوئم 1999ء، لاہور، 4/411 رقم حدیث: 23536
Ahmad bin Hanmbal, Almusnad, mutarjm Muhammad Iqbal, Maulana, mktba Rahmania, taba duyum, 1999, Lahore, 4/411, Hadith No:23536
- 9۔ سورۃ الحجرات: 13
Sūrat Al-Hujrat: 13
- 10۔ سورۃ الأنعام: 153
Sūrat Al-An'am: 153
- 11۔ سورۃ العلق: 1
Sūrat Al-Elaq: 1
- 12۔ سورۃ البقرۃ: 143
Sūrat Al- Baqarah: 143
- 13۔ سورۃ الإسراء: 36
Sūrat Al-Israa: 36
- 14۔ مودودی، اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 2006ء، ص: 236
Mododi, Islami nzam-e-zindaghi aur os kay bunyadi tsawrat, Islamic publication loer mall Lahore 2006, p:236
- 15۔ سورۃ التکواثر: 1
Sūrat Al-Tkasur: 1
- 16۔ راغب اصفہانی، مفردات القرآن، المکتب القاسمیہ لاہور، طبع اول 1963ء، ص: 567
Raghib Isfahani, Mufradat ul Quran, Al-Maktab qasmia Lahore, taba awal, 1963, p:567
- 17۔ احمد بن حنبل، المسند، 4/411، رقم حدیث: 23536
Ahmad bin Hanmbal, Almusnad, 4/411, Hadith No:23536
- 18۔ ایضاً، رقم حدیث: 2353
Aaydan, Hadith No:2353
- 19۔ ابن ماجہ ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دار للنشر والتوزیع الریاض، طبع دوئم 1995ء، 123/3، رقم حدیث: 2373

Ibn-e-Maja Abu Abdullah Muhammad bin Yazeed, Sunan Ibn-e-Maja, dar al nashar wa tawzee al Riaz, taba dwuum, 1995, 3/123, Hadith No:2373

²⁰۔ سورۃ البقرہ: 165

Sūrat Al-Baqarah: 165

²¹۔ سورۃ التوبہ: 39

Sūrat Al-Taubah: 39

²²۔ سورۃ التوبہ: 13

Sūrat Al-Taubah: 13

²³۔ سورۃ آل عمران: 14

Sūrat Aaly-Imran: 14

²⁴۔ سورۃ النور: 30-31

Sūrat Al-Noor: 30-31

²⁵۔ الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، مرکز البحوث والدراسات العربیہ و اسلامیہ، ذیل آیت

سورۃ النور: 30

Al-Tabari, Abu Jafar Muhammad bin Jareer Al-Tabari, Jami ul bayan an taweel Aee AlQuran, Markaz Al-Buhoos wa dirassat Al-Arabia wa Islamiyah, zeel ayat Al-Noor :30

²⁶۔ ایضاً: 31

Āāydan:31

²⁷۔ سورۃ النور: 27

Sūrat Al-Noor: 27

²⁸۔ الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ذیل آیت التکافؤ: 1

Al-Tabari, Abu Jafar Muhammad bin Jareer, Jami ul bayan an taweel Aee AlQuran, zeel ayat Al-Tkasur :1

²⁹۔ سورۃ النور: 3

Sūrat Al-Noor: 3

³⁰۔ سورۃ النور: 32

Sūrat Al-Noor: 32

³¹۔ سورۃ الاسراء: 23-24

Sūrat Al-Isra: 23-24

³²۔ ابو داود السجستانی، السنن، کتاب ملائم، باب: 22، دار الکتب العالمیہ، بیروت۔ لبنان، رقم حدیث: 567

Abu Dawood Al-Sujestani, Al-Sunan, kitab ul malahim, bab:22, Dar rul kutub al aalamiya, Baerout lubnaan, Hadith No:4567

³³۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، مترجم محمد اویس سرور، مکتب رحمانیہ اردو بازار لاہور، 431/5، رقم حدیث: 154

Ibne abi saibah, Al-Musanaf, mtrajjim Muhammad Owais Sarwar, maktab e rahmania urdu bazaar Lahore, 5/431, Hadith No:154

³⁴۔ طبرانی، معجم الکبیر، مکتبہ ابن تیمیہ الریاض، دار الکتب العالمیہ، بیروت-لبنان، 253/18، رقم حدیث: 90
Tabrani, Mujaam ul Kabeer, maktabae ibn e teemiya Riaz, 18/253, Hadith No:90

³⁵۔ مسلم بن حجاج نیشاپوری، صحیح مسلم، کتاب البر والصلاۃ والادب، لطابعۃ للنشر والتوزیع الریاض 2005، رقم حدیث: 2332
Muslim bin hajjaj, Neshapori, Saheeh Muslim, kitab ul Birre wa salah wl adab, litabat e linnasher wa toozeh Al-Riaz, 2005, Hadith No: 2332

³⁶۔ سورۃ المائدہ: 104

Sūrat Al-Maeeda: 104

³⁷۔ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، مترجم محمد اقبال شاہ گیلانی، کتاب البر والصلاۃ والادب، ضیاء القرآن پبلشرز لاہور۔
کراچی پاکستان، رقم حدیث: 44

Abu Abdullah, Muhammad bin Ismail Bukhari, Al-Jaame saheeh, mtrajim Muhammad Iqbal shah Gheelani, kitab ul Birre wa salah wa adab, Zia ul Quraan publication Lahore–Karachi Pakistan, Hadith No:44

³⁸۔ سورۃ لقمان: 21

Sūrat Luqman: 21

³⁹۔ سورۃ البقرہ: 170

Sūrat Al- Baqarah: 170

⁴⁰۔ سورۃ الحجرات: 13

Sūrat Al-Hujrat: 13

⁴¹۔ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، 2240/5، رقم حدیث: 5670

Abu Abdullah, Muhammad bin Ismail Bukhari, Hadith No:5670

⁴²۔ ابن حبان، ابو حاتم محمد ابن حبان الخرمانی، صحیح ابن حبان، دار المعرفہ بیروت-لبنان، 5841/1، رقم حدیث: 5180
Ibne Habban, Abu Hatim Muhammad bin Habban Al-Kahrmani, Darrul almerfo beroot Lubnan, 1/5841, Hadith No:5180

⁴³۔ البیضاوی، تفسیر انوار التanzیل واسرار التأویل، دار الصدر پبلشرز بیروت لبنان، طبع اولی 2001، ذیل آیت سورۃ الحجرات: 13
Al-Bayzawi, Tafseer Anwar Al-Tanzeel wa asraar ul altaweel, Daru AlSadar publisher Berrot lubnaan, Zail ayat Sura Hujraat:13

⁴⁴۔ ابو داؤد، السنن، باب عصبیہ، رقم حدیث: 5121

Abu dawood, Alsunnan, bab asbeeyat, raqam Hadees:5121

⁴⁵۔ سورۃ البقرہ: 278-279

Sūrat Al-Baqarah: 278-279

⁴⁶۔ جرجی زیدان، تارخ تمدن اسلامی، شرکت چاپ ونشر بین الملل (وابستہ بہ سازمان تبلیغات اسلامی)، 32/1
Jurji Zaidan, Tareekh tamadon Islami, shirkat chaap wa alnshar bain nan milalal wabista be sazman tableeghat islami, 1/32